

جسوع کرنا

خطبہ نمبر ۲۹



مسلمانوں کے تحفظ و بقا
کے لیے جدید لائحہ عمل

محمد ابو ہریرہ رضوی مضبوطی



ناشر

مجلس علم کے اجہاز کھنڈ

پیشکش

AZhari Graphics Design

9304725724
9572198728

ڈائریکٹر
محمد ابو ہریرہ رضوی مضبوطی

بیادگار

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ

زیر سرپرستی حضرت مفتی مجاہد حسین رضوی مصباحی

زیر حمایت حضرت مولانا قطب الدین رضوی

زیر عنایت حضرت حافظ عبدالمبین رضوی

زیر صلاہت حضرت مفتی انور نظامی مصباحی

زیر ہدایت حضرت مولانا عرفان عالم مصباحی

زیر قیادت حضرت مولانا حبیب عالم رضوی

سوغات جمعہ

مجلس
ادارت

- مفتی شاہد رضا مصباحی
- مفتی قطب الدین رضا مصباحی
- مولانا طفیل احمد مصباحی
- مفتی صفی اللہ مصباحی
- مولانا ابو ہریرہ مصباحی
- مفتی فیضان سرور مصباحی
- مفتی داؤد علی مصباحی
- مفتی شہباز احمد مصباحی
- مولانا طارق انور مصباحی

مجلس است
مشاورین

مولانا حبیب اختر مصباحی
مفتی ناصر حسین مصباحی
مفتی عالم نوری مصباحی
مفتی سخاوت علی مصباحی
مفتی امام الدین مصباحی
مفتی پرویز عالم مصباحی
مفتی فیض اللہ مصباحی

مولانا احسان الحق مصباحی
مولانا شاداب مصباحی
مفتی رضوان احمد مصباحی
مفتی عبد الوکیل مصباحی
مفتی عاقب جاوید مصباحی
مولانا توفیق عالم مصباحی
مولانا وقار احمد مصباحی

مولانا فیضان رضا علیمی
مفتی رجب علی مصباحی
مفتی روشن ازہری مصباحی
مولانا احمد رضا مصباحی
مولانا مشاہد رضا مصباحی
مولانا شمس الزماں جامعی
مولانا مناظر حسن مصباحی

مولانا ناصر علی رضوی
مفتی فیصل رضا مصباحی
مفتی شمیم اختر مصباحی
مولانا غلام ربانی مصباحی
مولانا جاوید اختر مصباحی
مولانا عطاء المصطفیٰ مصباحی
مولانا یونس رضا مصباحی

9199247426
6299758276

پیشکش المصباح پرنٹنگ پریس

ناشر:- مجلس علمائے چار کھنڈ

مسلمانوں کے تحفظ و بقا کے لیے جدید لائحہ عمل

محمد ابو ہریرہ رضوی مصباحی۔ رام گڑھ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

أَمَّا بَعْدُ

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ [13-الرعد: 11]

دروود شریف پڑھیں:

عزیزان ملت اسلامیہ! اللہ تبارک تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ [13-الرعد: 11]

بے شک اللہ کسی قوم کی حالت (تنگی، فقر اور بدامنی سے آسانی، غنا اور امن میں) نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے آپ کو (نافرمانی سی فرمانبرداری میں) نہ بدلیں

عزیزان ملت اسلامیہ! امت مسلمہ تقریباً اپنی تاریخ کا ڈیڑھ ہزار سال سفر طے کر چکی ہے۔ اس دوران بہت سے حالات و حوادث سے گزری، اچھے برے تجربات سے دوچار ہوئی، بہت سے اخلاقی و تاریخی عوامل اس پر اثر انداز ہوئے۔ عروج و زوال کے عبرت ناک حالات بھی پیش آئے۔ اس گزرے ماہ و سال کا ابتدائی ہزارہ عروج و اقبال سے روشن ہے، جبکہ دوسرا ہزارہ جو گیارہویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے، وہ آلام و مصائب، مظلومی و بے بسی، شقاوت و بے رحمی کے اندھیروں میں روپوش ہے۔ پتہ نہیں بے یقینی کے یہ اندھیرے کب تک اس ملت پر مسلط رہیں گے اور اس کی تہذیبی صبح

کب روشن ہوگی۔

کسی قوم پر نہ بے وجہ زوال آتا ہے اور نہ بے سبب قوم سرفراز ہوتی ہے۔ اسباب کی اس دنیا میں عدل و اصول ہر قوم کے لیے یکساں ہے۔ اقوام عالم کے عروج و اقبال اور ناکامی و زوال کا سبب ہمیشہ داخلی و اخلاقی ہوتا ہے، خارجی فتنے، بیرونی اسباب و محرکات، ان کی کمزوری و بے راہ روی کا صرف نتیجہ بد ہوتے ہیں۔

جب کسی قوم پر زوال آتا ہے تو سب سے پہلے اس کے درمیان وہ اصول، اقدار اور عقائد وجہ انتشار بنتے ہیں، جو ان کی قوت کا سرچشمہ، ان کی اجتماعیت کا قوام اور ان کے اتحاد و مرکزیت کا سبب ہوتے ہیں۔ پھر تو ایسا ہوتا ہے کہ اس کے افکار و عقائد، اس کے افعال و اعمال، اس کے دینی و تہذیبی مظاہر ایسے روایتی، فرسودہ، تخریبی و تباہ کن ہو جاتے ہیں کہ خیر کے تمام سوتے خشک ہو جاتے ہیں، اور جب اس سے بھلائی کی کوئی امید باقی نہیں رہتی، اس کی اصلاح کا کوئی امکان نہیں رہتا، اس کی تہذیب کی کوکھ جب بانجھ ہو جاتی ہے تو قانون فطرت کے مطابق اس کی ایک دشمن طاقت اٹھتی ہے اور فنا کا پیغام بن کر اس کی بساط کو لپ دیتی ہے۔ اس طرح اس کا وجود کش مکش و مسابقت کی اس دنیا سے ختم کر دیا جاتا ہے۔ قوم نوح، عاد و ثمود، مسدوم و عمورہ، بابل و نینوا، یونان و روم، قیصر و کسریٰ اور یہود و نصاریٰ کی تاریخوں میں اس کی مثال دیکھی جاسکتی ہیں۔

آج کے حالات پر غور کریں تو ہمارے تعلیمی، فکری و اعتقادی، عملی، تہذیبی و اخلاقی، سماجی، اتحادی و معاشراتی، سیاسی و معاشی پسماندگی جیسے زوال کے مضبوط عوامل نے ہمیں ترقیاتی دوڑ سے بہت پیچھے کر کے آج ذلت و مفلسی اور اجنبیت کے مقام پر لاکھڑا کیا ہے۔

موجودہ دور میں مسلمانوں کے سامنے جو حالات نمودار ہوئے ہیں اس پر غور و فکر کر کے ازالے کے لیے اب اٹھ

کھڑے ہونے کی ضرورت ہے۔

عزیزان گرامی! آج میں آپ کے سامنے موجودہ دور میں مسلمانوں کی تحفظ و بقا کے لیے جدید لائحہ عمل کی طرف کچھ رہنمائی کی کوشش کروں گا۔ پوری توجہ کے ساتھ میری بات سماعت فرمائیں!

سب سے پہلا کام رجوع الی اللہ ہو: عزیزان گرامی! قرآن و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے اللہ تعالیٰ کے جو فیصلے اترتے ہیں ان کا تعلق انسانی اعمال سے ہوتا ہے، دنیا میں مسلمانوں کے جیسے اعمال ہوں گے ویسے اللہ تعالیٰ کے فیصلے نازل ہوں گے، روئے زمین پر جب مسلمانوں کے اعمال بگڑیں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اسی قسم کے حالات رونما فرمائے گا، اس لیے موجودہ حالات میں پوری امت مسلمہ کو سچی توبہ کر کے رجوع الی اللہ کرنا چاہیے، حالات و رخ کا بدلنا اللہ ہی کے قدرت میں ہے، جب بندگان خدا اللہ کو ناراض کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر ظالموں کو مسلط کرتا ہے، ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ

تعالیٰ سے اپنا رشتہ مضبوط کرے، اور ہر قسم کے گناہوں سے سچی توبہ کرے۔

تعلیمی میدان میں آنے کی سخت ضرورت ہے:

محترم حضرات! تعلیم فرد اور سماج کو مہذب بناتی ہے، تعلیم مالی خوش حالی لاتی ہے، تعلیم حقوق کے تئیں ہوشیاری و بیداری پیدا کرتی ہے۔ تعلیم فرائض کے معاملے میں ذمہ داری کا احساس دلاتی ہے، تعلیم ماضی سے آگاہ رکھتی ہے اور روشن مستقبل کے لیے فکر و عمل کو ہمیز لگاتی ہے۔

آج کے حالات کو دیکھ کر خون کے آنسو رونے لگتا ہے۔ افسوس ہم نے علم سے رشتہ منقطع کر لیا ہے ہمارے اندر تحصیل علم کی دل چسپی ختم ہوتی جا رہی ہے، پسماندہ قوم میں ہمارا شمار ہونے لگا ہے اور تعلیمی پسماندگی میں ہم سب سے آگے ہیں۔ ہم نے دنیا کو علم دیا تھا، مگر اس دولت سے ہم خود محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ جبکہ انگریزوں نے ہمارے ہی کتابوں سے مستفید ہو کر ترقی و خوشحالی کی راہیں ہموار کر لیں، ہماری وراثت عظمیٰ پر وہ قابض ہو گئے اور ہم سے ہمارا علم چھن گیا۔ آج مسلمانوں کی اکثریت غیر تعلیم یافتہ ہے جس کے باعث آج ہم ہر طرف دھتکارے جا رہے ہیں۔ صنعت و حرفت ہر میدان میں ہماری حیثیت صفر ہے، غربت و بے کسی کے، شکار ہو کر ہم ہر طرف سے دھکے کھا رہے ہیں، جس کا واحد علاج تعلیم ہے۔ اس حقیقت سے سب آشنا ہیں کہ قرآن مجید کے نزول کا آغاز لفظ ”اقرا“ سے ہوا ہے لیکن اس باوجود آج ہم علم سے نا آشنا ہیں۔

یوں تو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی تمام چیزوں کو ہمارے لیے مسخر کر دیا ہے، لیکن وہ ہتھیار جس سے ان تمام چیزوں کی تسخیر ممکن ہے، ہم اس سے کوسوں دور ہیں، اور وہ ہے تعلیم۔ اس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس بات سے باسانی لگایا جاسکتا ہے کہ خدائے پاک کی طرف سے بھیجی گئی پہلی وحی بھی تعلیم سے ہی متعلق ہے، لیکن آج وہی امت جو اس آیت کا اولین مخاطب تھا اس سے بے بہرہ اور نابلد ہے۔

حکومت ہند کی طرف سے کیے گئے متعدد سروے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمان اس ملک کی سب سے پچھڑی ہوئی قوم ہے، ہمارے سامنے گنڈور پورٹ، رنگنا تھ مشرار پورٹ اور اسی کے ساتھ ساتھ آئینہ دکھانے والی سچر کمیٹی رپورٹ بھی ہے، جو یہ بتاتی ہے کہ مسلم قوم دلتوں سے بھی پیچھے ہے۔

تعلیمی تناسب کی اگر بات کی جائے تو مسلم قوم میں سب سے زیادہ غیر تعلیم یافتہ لوگ 42.72% ہیں۔ (دی وائر) جبکہ ہندو قوم 36.39% عیسائی 25.65% سکھ 32.49% بدھ 28.16% اور جین 13.57% ہیں۔ یعنی مسلمانوں میں 47.28% لوگ تعلیم یافتہ ہیں۔ ان میں سے صرف 13.8% لوگ ہی B.A. تک کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، جبکہ

ہندو 24.2%، عیسائی 36.9%، چین اور سکھ 28% حاصل کرتے ہیں۔ ان 13.8% طلباء میں سے محض 2.76% طلباء ہی M.A. یا اس سے آگے کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

Scroll.in کے مطابق 20 سے 30 سال کے عمر کے طلباء کی تعداد 4.5% ہے، جبکہ 30 سے 40 سال کی عمر میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد 3.3% ہے، وہیں 40 سے 50 سال تک کی عمر میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد 2.8% ہے جبکہ 51 سال کے بعد تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد 2.1% ہے۔ بات اگر شمالی ہند اور جنوبی ہند کی جائے تو جنوب میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے 9 سے 11 فیصد ہیں جبکہ شمالی ہند میں اعلیٰ تعلیم اور پروفیشنل کورس میں حصہ لینے والوں کی تعداد محض 1 سے 3 فیصد ہے۔

تعلیم حاصل کرنے والوں میں لگ بھگ 3% طلباء مدرسہ کا رخ کرتے ہیں۔ Drop out یعنی وہ بچے جنہوں نے پانچویں تک پہنچنے سے قبل ہی اپنی تعلیم منقطع کر دیا اور وہ بچے جنہوں نے کبھی اسکول کی شکل تک نہیں دیکھی ان کی تعداد 25% ہے۔ یہ تصویر مسلمانان ہند کے تعلیمی پسماندگی کی ہے۔ ان حالات میں کیسے امید کی جاسکتی ہے کہ ہم ملک میں نہ صرف یہ کہ عزت و وقار کے ساتھ رہیں گے بلکہ یہاں ایک بہتر کردار ادا کر سکیں گے۔ ان حالات میں نمایاں کام اور خدمات انجام دینے کے بجائے اپنے وجود کا تحفظ بھی مشکل ہو جائے گا اور تقریباً یہی کچھ ابھی ہو رہا ہے۔

استعماری دور سے پہلے کبھی بھی مسلمانوں کے درمیان تعلیم کی یہ تقسیم اور گراؤ نہ تھی۔ ایک ہی مدرسے میں حدیث، قرآن، فقہ، طب، ریاضیات اور فلکیات سب کے حلقے لگا کرتے تھے، لوگ اپنے اپنے ذوق کے اعتبار سے ان حلقوں میں شامل ہوتے اور استفادہ کرتے تھے۔ بھلا ہو کچھ اداروں کا جنہوں نے حالات کے حساب سے اب کچھ چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔

وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ہم ایک مربوط نظام تعلیم کی تدوین کریں۔ جہاں بچے ابتدائی طور پر تمام علوم کی بنیادوں کو پڑھیں اور پھر آگے چل کر اپنی رغبتوں کے اعتبار سے علوم شرعیہ، طب، انجینئرنگ صحافت اور ان جیسے علوم میں مہارت حاصل کریں۔

ہم نے غیر ضروری مباحث میں کافی وقت ضائع کر دیا ہے۔ ہم بہت دیر کر چکے ہیں اور خود کا بہت زیادہ نقصان کر چکے ہیں۔ لہذا اب وقت مزید مباحثے کا نہیں بلکہ جنگی پیمانے پر اس میدان میں کام کرنے کا ہے۔

اب تمام حالات سے نپٹنے کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔ آگے بڑھ کر تعلیمی ادارے کھولنے ہوں گے، اپنی قوم کے تعلیم یافتہ اور دانشور بن کر نوجوان نسل کی حوصلہ افزائی کرنی ہوگی، انہیں آگے بڑھانا ہوگا۔ جو لوگ تعلیمی طور پر مسلمانوں کے حالات

کو بہتر کرنے کے قابل ہیں ان سے عاجزانہ التماس اور گزارش ہے کہ وہ قوم کے ہونہار طلبہ کے لیے میڈیکل کالج، انجینئرنگ اور سول سروسز کی معیاری کوچنگ سینٹر کا انتظام کریں۔

اعلیٰ معیار کے انگریزی میڈیم اسکولوں کا قیام ہو جو پیشہ وارانہ تعلیم دیں۔ یہ محض مسلمانوں کے لیے نہ ہو بلکہ سب کے لیے ہو تاکہ آپ سے غیر مسلم بھی جڑیں اور انھیں ہم اچھا پیغام دے سکیں اور ان کے اندر جو ہمارے خلاف نفرت بھر گئی ہے اسے دور کر سکیں، یہ اچھا ذریعہ ثابت ہوگا۔

اہل مدارس اب اپنے یہاں صرف نام کی انگریزی نہ پڑھائیں بلکہ بچوں کا مستقبل بہتر کرنے کے لیے انھیں انگریزی ایسا پڑھائیں کہ وہ اس زبان میں بھی ماہر ہوں اور کمپیوٹر کی لازمی تعلیم دیں۔ بلکہ اب انھیں تعلیم کے ساتھ ساتھ کوئی ہنر بھی دیں۔ مثلاً گولر، فرنیچ وغیرہ بنانے کا ہنر، یا دیگر کام بھی حالات کے حساب سے انھیں سکھائیں۔ اس سے یہ ہوگا کہ لوگ اپنے بچوں کو مدرسے میں بھیجیں گے کہ میرا بچہ صرف حافظ یا عالم ہی نہیں بنے گا بلکہ وہ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد کوئی کاروبار بھی کر سکے گا یا کوئی بھی کام کر سکتا ہے۔ اس طرح اس کے گھر کا ماحول اسلامی بنے گا اور دور جدید کے حساب سے وہ لیس ہوگا۔ اہل مدارس طرف ضرور توجہ دیں۔

معاشی زوال اور اس کا تذکرہ:

معیشت کی اہمیت آپ ﷺ کے قول و فعل سے عیاں ہے۔ تجارت جو معاشی ترقی و خوش حالی کی ضامن ہے، رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا محبوب ترین پیشہ ہے آپ بذات خود ایک کامیاب تاجر تھے۔

مسلمان پندرہ صدی عیسوی تک دینا کے معاشی، سیاسی، علمی اور تہذیبی قائد رہے، بڑے بڑے تجارتی مراکز قائم کیے، سمندری تجارت کے لیے بندر گاہیں بنائیں جن کے ذریعے دور دراز کے ملکوں میں جا کر تجارت کے ساتھ ساتھ اسلام سے بھی لوگوں کو متعارف کرایا۔ لیکن مسلمانوں کے علمی، معاشی و سیاسی غلبے میں انحطاط سترہویں صدی کے اوائل سے شروع ہو گیا اور تقریباً دو صدیوں میں مغرب نے بڑی سرعت سے سائنس و ٹکنالوجی کے میدان میں ترقی کی، جس کے باعث ان کی عسکری نے مسلمانوں کے عسکری قوت سے فوقیت حاصل کر لی، اور 1798ء میں جب نپولین نے مصر فتح کیا تھا تب سے لے کر آج تک مسلمانوں کی ہر میدان میں پسپائی ہوتی رہی جو وقت کے ساتھ اور تیز ہوتی گئی۔ یوں تو آج دنیا میں ایک چوتھائی آبادی مسلمانوں کی ہے، ان کے پچاس سے زیادہ ممالک ہیں، اور گزشتہ نصف صدی کے عرصے میں عرب ممالک کو اللہ تعالیٰ نے زمین سے تیل کا خزانہ دے کر مالامال کیا ہے۔ لیکن کوئی بھی مسلم ملک اس تیل کی دولت کے باوجود حقیقی طور پر خود مختار نہ ہو

سکا۔ یہ ممالک بالواسطہ یا بلاواسطہ مغربی طاقتوں کے حکم و اشارے پر کام کرتے ہیں۔

اس وقت امت مسلمہ کا بڑا طبقہ غربت و افلاس، ناداری و بے روزگاری کا شکار ہے، خاص طور پر ہندوستانی مسلمانوں کی شناخت معاشی پس ماندگی میں کی گئی ہے۔ ہم میں مالدار طبقہ بھی موجود ہے مگر اس کا تناسب تھوڑا ہے۔ اور غیر مسلموں کے مقابلے میں ناقابل ذکر ہے۔ وطن عزیز میں ایک لاکھ سے زیادہ ارب پتی لوگ ہیں مگر ان میں مسلمان صرف چند۔ مسلمانوں کی اکثریت نادار ہے اور بہت سے لوگ خط افلاس سے نیچے کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کی فی کس یومیہ آمدنی اوسط سے کافی کم ہے، فٹ پاتھ پر سونے والو، کوڑا چننے والوں، گلیوں اور مسجدوں کی سیڑھیوں پر دست سوال دراز کرنے والوں کے اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اس غربت کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ جہاں زندگی گزارنا دشوار ہو وہاں تعلیم و ترقی کا خواب دیکھنا ناممکن ہے۔

مسلمانوں کو غربت و افلاس کے دلدل سے نکالنے کے لیے نہ تو حکومت ہند نے کوئی مثبت اقدام کیا نہ مسلم رہنماؤں نے سنجیدہ مہم چلائی اور نہ ہی اہل علم نے عام مسلمانوں کا مزاج خود کفالت کا بنایا، نتیجہ یہ ہوا کہ بھیک مانگنے والوں کی سب سے زیادہ تعداد مسلمانوں میں موجود ہے۔

زندہ قومیں وہ ہوتی ہیں جو مصیبتوں اور پریشانیوں کا مقابلہ کر کے ترقی کی راہ کو ہموار کرتی ہیں نہ کہ جدوجہد سے فرار کا راستہ اختیار کرتی ہی۔ آج مسلمانوں کو تعلیمی و معاشی ترقی کے لیے ایک مضبوط، منظم اور مستقل جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔

تجارت میں برکت ہے:

حضرت محترم! مذہب اسلام میں کسب معاش تجارت کی بہت فضیلت آئی ہے۔ قوم مسلم تجارت میں بہت پیچھے ہے اور جو ہیں بھی تو وہ اسلامی ہدایات اور رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے زیر اصول کو جانتے ہی نہیں اور اگر جانتے ہیں تو عمل نہیں کرتے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے نبی ﷺ کی تجارت کی تعلیم کا مطالعہ کریں اور اسلامی ہدایات پر سختی سے عمل پیرا ہوں تو ان شاء اللہ ضرور انقلاب آئے گا اور کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

رزق کے دس حصے ہیں نوحے تجارت میں ہیں۔ اب بتائیے کہ نوحے جس کام میں ہے اس سے ہم دور رہیں گے تو کامیابی کیسے ملے گی؟

ضرورت ہے کہ ہم اپنے نبی کی تعلیم پر عمل پیرا ہوں اور تجارتی کاموں میں جڑے یں مثلاً: کوئی کپڑے کی دکان کرے، یہ امام اعظم ابو حنیفہ کا بھی پیشہ تھا، کرانے کی دکان کھولے، کتاب کاپی کی دکان ہو، ہو لسیل دکانیں آج آسانی سے کر سکتے

ہیں، فریج، کولر، اے سی، پنکھا الیکٹرانک کی دکانیں، اس طرح کی کئی تجارت ہیں جسے اپنے حساب سے کر سکتے ہیں۔ بڑے بڑے صنعتی کاموں کا تجارتی مرکز بنائیں۔ جس کے پاس جیسی رقم ہو وہ اتنا بڑا کاروبار شروع کرے۔ اور تجارتی فائدے سے لطف اندوز ہوں۔

آج مسلمانوں میں سب سے زیادہ بے روزگاری ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ تجارت میں دل چسپی لیں کیوں کہ ایک تجارت میں کئی لوگوں کی ضرورت پڑتی ہے، اس میں آپ کا پورا گھر نہ لگ سکتا ہے رشتے دار دوست و احباب کو بھی آپ کام دے سکتے ہیں اس طرح آپ کے ساتھ کئی لوگوں کا گھر بار چلے گا اور سب خوش حالی کی زندگی بسر کریں گے۔ ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی کریم ﷺ کی سنت تجارت کو اپنانے کی توفیق دے۔

میدان سیاست میں طمع آزمائی کی ضرورت:

سامعین کرام! ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد ہی مسلمانوں کی کوئی حکمت علمی نہ بن سکی، تقسیم ہند کے نتیجے میں مسلمانوں کے ایک طبقے نے چوں کہ اسلام کے نام پر ایک آزاد مملکت حاصل کر لی تھی، اس لیے ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کی ملکی سیاست میں بڑی کم حصہ داری اور عموماً غیر مسلموں کے ہاتھ میں رہی، اور اقتدار میں دور رہنے کی وجہ سے مسلمانوں کا سیاسی شعور کم ہوتا گیا۔ تو جس طرح ہر سطح پر مسلمان بکھرتے رہے اس سطح پر بھی بکھرتے نظر آئے۔ مسلمانان ہند کی کوئی سیاسی جماعت وجود میں نہ آئی، نہ کوئی سیاسی پلیٹ فارم بن سکا کہ مسلمان اپنا وجود ثابت کر سکے۔

موجودہ دور میں سیاست حاضرہ سے اپنا دامن بچائے رکھنا اور بالکل اپنے آپ کو اس سے الگ رکھنا مسلمانوں کے حق میں مفید نہیں، مقام غور ہے کہ بہت سارے غیر اہم مقامات میں مجبوراً ہمیں غیر مسلم سیاست دانوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ آخر ہم اس بات میں دل چسپی کیوں نہیں لیتے کہ آخر ہمارے سیاسی اور سماجی معاملات کو طے کرنے والے لوگ کون ہوں گے، اقتدار کی کرسی پر کسے بٹھایا جائے جو سماج کو ایک نظریے سے دیکھے۔ اسمبلی اور پارلیمنٹ میں کسے بھیجا جائے، جو پوری ایمانداری اور دیانت داری کے ساتھ ہمارے مسائل کو رکھے اور اس پر مثبت بحث کر کے مشکلات کا حل نکالے۔

جب ہمارا رہنما سیاسی ہوگا، اور ممبر آف پارلیمنٹ، یا ایم ایل اے، ایم پی، ایم ایل سی، پرعہان، لکھیا اور وارڈ وغیرہ تو ہمارے لیے بہت سارے کاموں میں آسانی ہوگی، ہمارے مسائل حل ہوں گے، کئی طرح کے فنڈ ان کے پاس ہوں گے جس سے قوم مسلم کے بہت سارے فائدے ہوں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے سیاسی پارٹی اور لیڈران متحد ہوں بلکہ اس کے لیے ایک منظم پلان تیار کریں، اور سیاسی پکڑ مضبوط کرنے کے لیے دیگر اقلیتوں کو بھی ہمنوا بنانے کا پلان اور منصوبہ تیار کریں۔ حالات اس کام کے لیے سازگار ہیں، موجودہ حکومت سے ہر کسی کو پریشانی ہے مگر منظم پلان کے تحت کام ہو ان شاء

اللہ کامیابی ملے گی اور مسلمانوں کا سیاسی مستقبل روشن ہوگا۔

مسلم سیاست: اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے ایک عظیم سیاسی مستقبل کی تعمیر کے لیے تمام مواقع فراہم ہیں۔ لیکن اس طرح کے ایک مستقبل کے لیے فرقہ وارانہ جذبات بھڑکا کر یا انتخابات کے دوران نئی سیاسی پارٹیاں بنا کر کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ مسلمانوں کے تابناک سیاسی مستقبل کے لیے کمیونٹی کی اصلاح اور ان کے اندر سیاسی شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ سیاسی طور پر تقویت حاصل کرنے کے لیے حقیقت میں مسلمانوں کو خود کو بدلنا ہوگا۔ فی الحال ہر جگہ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقوں میں قومی مسلم ایجنڈے کی بات ہو رہی ہے۔ اس سلسلے میں اجلاس بھی منعقد کیے جا رہے ہیں۔ لیکن کہیں بھی مسلمان اس میں کامیابی حاصل نہیں کر پایا ہے۔ کوئی بھی کمیونٹی ملک کے سیاسی میدان میں حصہ لیے بغیر اپنے حقوق اور وقار کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ حکمرانی، قانون سازی اور انتظامیہ میں شمولیت جمہوری نظام کا ایک حصہ ہے۔ جہاں تک ہندوستانی مسلمانوں کا معاملہ ہے ان کے سامنے ایسے مواقع میسر ہیں جس سے وہ منظم ہو کر سیاسی طور پر با اختیار بن سکتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلم سیاست ملک کے کچھ حصوں میں مضبوط ہو رہی ہے لیکن مسلمانوں کے ووٹوں کے اثر و رسوخ میں کمی آرہی ہے۔ عام طور پر IUM، MIM، اور AIUDF نے گزشتہ انتخابات میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ لیکن پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی میں کمی آئی ہے۔ کیرلا میں سوائے UDF کے، دوسری ریاستوں کی علاقائی سیاسی پارٹیاں مسلمانوں کو اقتدار میں شریک کرنے پر غور نہیں کرتی ہیں، ان پارٹیوں کا یہ رویہ سیاسی محاذوں کے تشکیل کے دوران واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ انتخابات میں مسلم امیدواروں کی نامزدگی اور وزارت کی تشکیل کے دوران ان کو اہمیت نہیں دیا جاتا ہے۔ مسلم امیدوار جو سیکولر پارٹیوں کی طرف سے امیدوار کے طور پر انتخابات کا سامنا کرتے ہیں انہیں متوقع تعداد میں ووٹ حاصل نہیں ہوتے۔ کچھ سیکولر پارٹیوں کی ٹکٹ پر انتخابات میں جیتنے والے نام نہاد مسلم نمائندے شاذ و نادر ہی اپنے کمیونٹی کے حفاظت اور مفاد کے لیے اپنے اقتدار کا استعمال کرتے ہیں۔ جن علاقوں میں مسلمانوں کا ووٹ فیصلہ کن ہوتا ہے وہاں سرکاری مشینری مسلم ووٹوں کی اہمیت کو گھٹانے کے لیے مختلف حکمت عملی اپناتی ہیں جیسے مسلم امیدوار کے مقابلے ایک اور مسلم امیدوار کو کھڑا کر کے ووٹ منتشر کر کے غیر مسلم کو جتانا، بلکہ کچھ ایسے مسلم ہوتے ہیں جو پیسوں پر بک کر اپنے مسلم بھائی کو ہرانے کا کام کرتے ہیں ایسے کنڈیڈیٹ سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے اور انہیں بھی اس طرح کی حرکتوں سے پرہیز کرنا چاہیے ورنہ کل میدان محشر میں سزا کے لیے تیار رہیں۔

ووٹر فہرست سے نام غائب کر دیے جاتے ہیں، حلقہ بندی کی وجہ سے مسلم ووٹ بکھر جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو اپنا وجود بچانا ہے تو پھر پیسوں پر بکنا چھوڑنا ہوگا۔ اپنی سیاسی پکڑ خود بنانا ہوگا تب تک ٹکڑوں پر پلتے رہیں گے اپنے ووٹ کی اہمیت کو سمجھیں اور آنے والی نسلوں کے لیے راہیں ہموار کریں۔

علماء کی سیاست سے دوری اور امت کے مشکلات: ایک زمانہ تھا جب علمائے کرام ملکی سیاست کو شجر ممنوعہ سمجھتے تھے۔ یہ سیاست سے دور رہنے کا ہی نتیجہ ہے کہ علماء کے بارے میں عوام یہ کہتے نظر آتی ہے کہ مولوی حضرات کو سیاست سے کیا تعلق؟ بھلا یہ سیاست کیا جانیں؟ ان کی جگہ تو صرف مسجد اور مدرسہ کی چہار دیواری ہے، اس کی صاف وجہ یہ ہے کہ علمائے اپنے کو مکمل سیاست سے دور رکھا ہے، حالاں کہ علماء سے بہتر سیاست کون کر سکتا ہے۔

یقیناً آج کی سیاست گندی ہو گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اچھے لوگوں نے سیاست سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ آج برائی دھیرے دھیرے اچھائی پر غالب ہونے لگی۔ ہم انصاف کا رونا روتے ہیں، ظلم اور حق تلفی کا راگ الاپتے ہیں، لیکن جب اسے سدھارنے کا موقع ملتا ہے تو ہم اپنے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ ہم اس بات میں دل چسپی کیوں نہیں لیتے؟

علماء کو جان بوجھ کر سیاست سے دور کیا گیا ہے تاکہ من مانی اور بد عنوانی کے راستے کھولے جاسکیں۔ علماء سے یہ کہا گیا کہ آپ حضرات کے لیے یہ مناسب نہیں، آپ دینی علوم کے وارث ہیں اور گلی گلی کھومتے آپ کو زیب نہیں دیتا، آپ تو آرام فرمائیں، ہم سب آپ کے لیے اسٹیج سجاتے ہیں، پھر یہ کہ اس میں کتنا جھوٹ بولنا پڑتا ہے اور آپ مذہبی آدمی ہیں یہ آپ کے لیے مناسب نہیں، ہم خود آپ کے پاس آکر معاملات میں رائے لے لیں گے۔ اس طرح کی باتوں سے انہیں ایک اہم ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا گیا اور علمائے عدم شمولیت نے سیاست کا ماحول سخت پر آگندہ کر ڈالا۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام میں سیاست دین سے الگ نہیں ہے نہ صرف سیاسی شعبہ حیات بلکہ سماجی اور معاشی شعبہ ہائے حیات بھی مذہب ہی کے تحت ہیں۔

انسانی شعبہ ہائے حیات میں سیاسی شعبہ حیات سب سے زیادہ طاقتور، مؤثر اور اہم تسلیم کیا گیا ہے۔ (حیات حافظ

ملت، ص: ۶۳۳)

لیکن آج سیاست کو شجر ممنوعہ سمجھا جا رہا ہے۔ سیاست کو لوگ اسلام سے الگ تصور کر رہے ہیں۔ حالاں کہ یہ حقیقت نہیں ہے بلکہ خود ہمارے آقا ﷺ نے بھی سیاست و تدبیر سے کام لیا ہے (ضرورت ہے کہ حضور کی سیاسی بصیرت کو پڑھیں)۔ خلفائے راشدین و علمائے امت نے بھی سیاست میں حصہ لیا ہے۔

ہندوستان میں آزادی ہند کے بعد سے اس میدان میں ہمارے علمائے دوری اختیار کی اور اتنا دور ہوئے کہ ہمارے اس عمل سے عوام یہ سمجھنے لگی کہ سیاست ایک بری چیز ہے۔

جس کا اثر یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ سیاست میں جو بھی بچی کچھی ساکھ تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ اب دوسروں کے رحم و کرم پہ جی رہے ہیں، سرکار کی طرف سے ملنے والی رعایتوں سے ہم محروم ہو گئے۔ ہماری تعلیم گاہوں کو جو مراعات ملنی چاہیے اور تحریک و تنظیم کے لیے جو فنڈ ہوتے ہیں ان سب کو لینے سے عاجز رہے۔ سیاست میں ہماری جماعت کے افراد نہ ہونے کی وجہ سے پارلیمنٹ میں ہمارے خلاف قانون آسانی سے پاس ہو رہے ہیں۔ ہمیں دستور نے جو رعایت دی ہے اس سے بھی ہمیں دن بہ دن محروم کیا جا رہا ہے، ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانے کی ناپاک کوششیں ہو رہی ہیں۔ ہماری عصری درس گاہوں خصوصیت کے ساتھ ”علی گڑھ مسلم یونیورسٹی“ اور ”جامعہ ملیہ اسلامیہ“ کے خلاف بھی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ ان میں ہندو ذہنیت کے لوگوں کو مسلط کیا جا رہا ہے، ہمارے بچوں کو پریشان کیا جا رہا ہے۔ ”نجیب“ کو زمین کھا گئی یا آسمان؟ اس کی بھی کوئی چھان بین صحیح طور پر نہیں ہو سکی۔ آپ طلاق ثلاثہ ہی کو لے لیں اس معاملے میں قرآن و حدیث کے خلاف مودی حکومت نے قانون پاس کیا اور مسلم دشمنی کا ثبوت پیش کیا۔ یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی مذموم سعی جاری ہے۔ این آر سی، سی اے اے اور این پی آر کے ذریعے مسلمانوں کو پریشان کیا جا رہا ہے۔

دہشت گردی کے نام پر سیکڑوں مسلم نوجوانوں کی گرفتاریاں ہوئیں، کتنے بے گناہ جیلوں کی سلاخوں میں اپنی زندگیاں کاٹ رہے ہیں۔ آخر انھیں کون انصاف دلائے گا؟

آج اگر ہم سیاست میں کمزور ہیں تو وہ ہمارے علما و اکابرین کی سیاست سے دوری کا نتیجہ ہے۔ سیاست کوئی بری چیز نہیں ہے، ہمیں اسلامی حدود میں رہ کر سیاست کرنی چاہیے۔

ماضی قریب کے علمائے بھی اس سلسلے میں تگ و دو کی ہے اور اس کے اچھے اثرات چھوڑے ہیں۔ حضرت علامہ برہان الحق جبل پوری علیہ الرحمہ نے سیاست میں حصہ لیا اور ایم پی بنے، حضرت علامہ ریحان رضا بریلوی علیہ الرحمہ بھی ایم پی تھے۔ حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے اپنے بل بوتے کانگریس پارٹی سے علامہ سید مظفر حسین کچھوچھوی علیہ الرحمہ و علامہ اسرار الحق (سنی) (یوپی) کو نہ صرف ٹکٹ دلوا یا بلکہ انھیں الیکشن میں کامیاب کر کے ایوان بالا تک پہنچایا۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے، انھوں نے ہر جہت سے کام کیا، ان کی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا: اگر علامہ ارشد جیسے تین شاگرد اور ہوتے تو ہندوستان پر ہماری حکومت ہوتی۔ (جام نور کا رئیس القلم نمبر، ص: ۲۱۳)

ضرورت اس بات کی ہے کہ اچھے خیالات، اچھی سوچ و فکر اور تدبیر کے حامل افراد کو سیاست کے میدان میں لایا جائے اور صحیح طریقے سے ان کی حوصلہ افزائی و رہنمائی کی جائے جس سے وہ آگے بڑھ کر ہم سب کے کام آئے اور سیاست میں بھی ہماری کچھ گرفت بنے۔

متحر ہو تو بدل ڈالو زمانے کا نظام

منتشر ہو تو مرو شور مچاتے کیوں ہو

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید میں

ورنہ ان بھکرے ہوئے تارو سے کیا کام بنے

بھنور سے لڑو تند لہروں سے الجھو

کہاں تک چلو گے کنارے کنارے

قوم مسلم میں اتحاد کی ضرورت:

محترم حضرات! پوری دنیا کے مسلمانوں پر ظلم و ستم، جبر و استبداد اور جو روتشدد کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں، شر شیطنت کا مہیب اور خونی پنجہ نست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے۔ مسلمانوں کو مسائل و مصائب کے محور پر کھڑا کر کے طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا کر دینے کی سازشیں ہو رہی ہیں۔ مسلمانانِ عالم دشمنوں کی استبداد نوازیوں کے شکار ہو رہے ہیں۔

آپسی چپقلش کے نتیجے میں گزشتہ تیس، چالیس سالوں میں ڈیڑھ کروڑ سے زائد مسلمان عراق، ایران، افغانستان، لیبیا، سیریا، شام، برما، وغیرہ ممالک میں تہ تیغ کر دیے گئے۔ اور اسلامی نسل کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی پوری مہم مغربی ممالک نے تیار کر رکھی ہے۔ کئی کنوئیں کے تیل آگ، دھوئیں میں تحلیل ہو گئے۔ سعودی عرب کی دولت امریکہ، فرانس اور برطانیہ کے ہاتھوں میں تقسیم ہو گئی۔ فلسطینی مسلمانوں پر اسرائیلی ظلم کی شمشیر برہنہ برسوں سے ٹوٹ رہی ہے۔ قبلہ اول بیت المقدس ان کے قبضے سے نکل چکا ہے۔ یہودی و عیسائی لابیوں نے اپنی کامیابی پر بغلیں بجا رہی ہیں۔ اور مزید مسلمانوں کو ذلیل و رسوا کرنے کے حربے بھی استعمال کرتے جا رہی ہیں۔ مسلمان ذلت و زوال کے بیچ میں پھنسا ہوا ہے۔ اور در در کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ پناہ کی تلاش اور لقموں کی احتیاج نے ان کے عزم و حوصلہ، قوت ارادی کو متزلزل کر دیا ہے، بوسنیائی مسلمان سرب کی افواج کے

ہاتھوں روٹنے کھڑے کر دینے والی اذیتوں سے دوچار ہیں۔ ان ستم رسیدہ مسلمانوں کی داستان بڑی اندوہ ناک اور پرالم ہے۔ پچاس ہزار سے زائد مسلمان قتل کیے جا چکے ہیں۔ باقی بچے ہوئے مسلمانوں کے سروں پر موت کے سائے ناچ رہے ہیں۔ وہ امت جس کے مقدس رسول ﷺ نے مسلمانوں کی یکجہتی کو یوں بیان فرمایا تھا: کہ امت مسلمہ ایک ایسے جسم کے مثل ہے کہ اگر اس کے کسی ایک حصے میں تکلیف ہو تو پورا جسم ہی تکلیف زدہ ہو جاتا ہے۔ (مفہوما)

وہ امت مسلمہ جس کے اتحاد کو ”انما المؤمنون اخوة“ کے ذریعے بیان فرمایا گیا ہے۔ آج یہ کتنا افسوس ناک المیہ ہے کہ اسلامی ممالک کے باشندے مر رہے ہیں۔ مگر سعودی و عربی حکمران (طیب اردغان اور ان کے ہمنواؤں کے علاوہ) ہوٹلوں میں عیشیاں کر رہے ہیں۔ شام، لیبیا، عراق، فلسطین اور یمن جیسے اسلامی ملکوں میں زندگی بسر کرنے والے دانے دانے کو محتاج ہیں مگر یہ عربی حکمران اپنے عیش کدوں میں مسرت و شادمانی کی ہنسی بجا رہے ہیں۔ ان ملکوں کے بچے دودھ کو ترس رہے ہیں اور یہ اپنے عشرت کدوں میں شراب و کباب سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ شام جل گیا مگر ان کی پیشانیوں میں بل نہیں۔ روہنگیاں مسلمانوں کو جانوروں سے بھی بدتر انداز میں ذبح کیا گیا مگر ایک ”ترکی“ کو چھوڑ کر کسی جہیں پر کوئی شکن نہیں۔

وطن عزیز (ہندوستان) میں بھی گاہے بگاہے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ کبھی گجرات میں مسلمانوں کو مارا گیا، ان کے گھر بار جلادے گئے، کبھی مہاراشٹر، کبھی بھگل پور، کبھی سہرام، کبھی جیشید پور، کبھی بنارس، کبھی مظفرنگ، کبھی اورنگ آباد، کبھی لوہردگا۔ اور ابھی دہلی کے مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا ان کے گھر، دکان جلادے گئے، بے گناہ مسلمانوں کو مارا گیا اور پھر انھیں کو مجرم بھی بتایا جا رہا ہے۔ جبکہ اصل مجرموں، ذمہ داروں کو حکومت بچا رہی ہے۔ دراصل یہ سب حکومت کی نگرانی ہی میں ہو رہا ہے، ایک شازش کے تحت یہ دنگے کرائے جا رہے ہیں۔ تاکہ مسلمانوں کو کمزور کیا جاسکے۔ آریس ایس کے غنڈے کھلے عام غنڈہ گردی کرتے ہیں مگر ان پر کوئی کاروائی نہیں ہوتی۔

خاص طور پر جب سے مودی حکومت برسر اقتدار آئی ہے۔ کبھی گاؤں کی کشتی کے نام دہشت گردی کا کھلے عام مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ لوگوں کی جانیں ایک جانور سے بھی کم تر قرار دی جا رہی ہے۔ کارخانوں میں کام کرنے والے مسلمان ملازم کو ڈر یا جاتا ہے کہ خبردار ادھر ادھر رخ مت کرنا ورنہ جان سے مار دیے جاؤ گے۔ مسلمانوں کی دکانوں سے سامان نہیں خریدنے کے بورڈ لگا دیے جاتے ہیں اب تو باضابطہ طور سے دہلی دنگے کے بعد دہلی میں ایک احتجاج ہو اور لوگوں کو اس لیے بلایا گیا کہ اب کوئی بھی ہندو، مسلمان کی دکان سے کچھ بھی نہ خریدیں، اور نہ ہی کسی مسلم کو اپنے یہاں کام دے۔ تاکہ مسلمان معاشی اور اقتصادی طور پر کمزور اور بے بس ہو جائیں۔

ایسے میں ہماری آپسی ناچاقی، نااتفاقی، گروہ بندی اور فرقہ برستی بھی دشمنوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہو رہی ہے۔ اور ہم ہیں کہ ابھی تک اتحادی قوت کا مظاہرہ اور کم از کم ملی مسائل میں جواز کی حد تک سمجھوتہ کرنے کے لیے بھی تیار نہیں۔

موجودہ دور میں ضرورت اب اس بات کی ہے کہ مسلمان کم از کم رہی سہی شان و امتیازات کو بچانے کی کوشش کریں۔ اس کے لیے سب سے پہلے روئے زمین پر پائی جانے والی بنام مسلم اقوام کو متحد ہو کر ایک مشترکہ پلیٹ فارم بنانا ہوگا۔ پھر اس کے تحت ایک تھینک ٹینک کا شعبہ ہو جو دنیاوی تغیرات، چیلنج کو سامنے رکھ کر قوم مسلم کو تعمیر و ترقی کی خاطر مناسب رہنمائی کرتا رہے۔ اسلامی تہذیب و ثقافت پر مبنی تعلیم گاہیں کثرت سے کھولی جائیں اور بچوں کی تعلیم اسلامی طرز پر ہو۔ اس طرح متحد ہو کر ایمانی غیرت اور اسلامی حرارت کی روح پھونک دی جائے تاکہ آنے والی نسلوں کا مستقبل روشن ہو سکے۔ ع

اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت

کراٹے کی مشق: مودی حکومت جب سے برسر اقتدار آئی ہے اس وقت سے ہجومی قتل (ماب لنچنگ) کے واقعات پیش آرہے ہیں، لیکن مسلمانوں کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوتی، 2019ء کی خبر ہے کہ دو شریر غنڈوں نے چار مزدوروں کو یہ کہہ کر بیلٹ سے مارنا شروع کر دیا کہ تم گائے کا گوشت کھا رہے ہو، حالاں کہ یہ تزکاری کھا رہے تھے، یہ لوگ پٹتے رہے اور اپنا کوئی دفاع نہیں کیا، یہ بہت ہی افسوس ناک صورت حال ہے، اسلام نے ضرور امن و آشتی قائم رکھنے کا حکم دیا ہے، ظلم سے منع کیا ہے، لیکن اس نے یہ بھی تعلیم دی ہے کہ اپنے دفاع کی بھرپور کوشش کی جائے اور ظالم کے پنجے کو تھام لیا جائے، جان تو یوں بھی جانی ہے، لیکن ایسے مواقع پر ظالم کو یہ احساس دلانا چاہیے کہ اس کے اوپر مظلوموں کے ہاتھ اٹھ سکتے ہیں، ورنہ شریر اور غنڈہ عناصر کی جرأت بڑھتی جائے گی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جو اپنے دین، اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت و آبرو اور اپنی آل و اولاد کو بچانے میں مارا جائے، وہ شہید ہے: ”من قتل دون ماله فھو شھید، ومن قتل دون دینہ فھو شھید، ومن قتل دون دمہ فھو شھید، ومن قتل دون اھلہ فھو شھید“۔ (ترمذی شریف، عن سعید بن زید، ۱۴۲۱، نیز دیکھیے: مجمع الزوائد، عن ابن عباس، حدیث نمبر: ۱۰۴۶۸)

یہ نہ صرف شریعت کی تعلیم ہے، بلکہ ہمارے ملک کا قانون بھی ہمیں اس کی اجازت دیتا ہے، اس پس منظر میں ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو ”اپنی حفاظت آپ“ کا پیغام دیا جائے اور وہ اپنے آپ کو اپنے تحفظ کے لیے تیار رکھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طاقور مومن بہتر اور اللہ کو محبوب ہے کمزور مومن کے مقابلے میں: ”المومن القوی خیر وأحب إلى الله من المومن الضعیف“۔ (مسلم شریف، عن ابی ہریرۃ، حدیث نمبر: ۲۶۶۴)

آریس ایس ایک زمانہ سے اپنے کارکنوں کو اپنی حفاظت آپ کرنے کی بلکہ فساد مچانے کی تربیت دے رہی ہے، حالانکہ ان کو کوئی خطرہ نہیں ہے، البتہ موجودہ حالات میں مسلمان، دوسری اقلیتیں اور دلت ضرور اس خطرہ سے دوچار ہیں، مسلمانوں کے خلاف مسلسل نفرت انگیز تقریریں کی جا رہی ہیں اور ان پر ہجومی حملے کیے جا رہے ہیں، اس لیے قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے پُر امن طریقہ پر مسلم تنظیموں اور اداروں کو نوجوانوں کی جسمانی تربیت کرنی چاہیے، کرائے کی مشق ہونی چاہیے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں سمجھانا چاہیے کہ وہ اپنی طاقت کا استعمال سماوی آفات کے موقع پر لوگوں کو بچانے اور ظالموں کے مقابلہ میں مظلوموں کی مدد کرنے کے لیے کریں۔

غیر مسلموں کے ساتھ رشتے استوار کریں:

ہر سطح پر برادرانِ وطن (غیر مسلم) کے ساتھ اپنے تعلقات کو بہتر بنایا جائے، اس کے لیے تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے طلبہ اور پڑھانے والے اساتذہ، غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ کام کرنے والے ملازمین، تاجرین اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کام کرنے والے حضرات کے تربیتی پروگرام رکھے جائیں، خاص طور پر مذہبی تنظیمیں اس کام کو اپنے ذمہ لے لیں، ان پروگراموں میں مسلمانوں کو بتایا جائے کہ اسلام میں انسانی اخوت کا تصور کس قدر وسیع ہے، تمام اخلاقی تعلیمات میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کو ایک ہی درجہ پر رکھا گیا ہے، بڑوں کی توقیر، چھوٹوں کے ساتھ شفقت، غریبوں کی مدد، بیماروں کی مزاج پر سی، گاہکوں کے ساتھ ایمان داری، عورتوں کا احترام، بوڑھوں کا لحاظ، مسافروں کی مدد، معاملات میں دیانت داری و ایمان داری، مظلوموں کی دادرسی، مصیبت زدہ لوگوں کے ساتھ ہمدردی و غم خواری، غرض کہ انسانی سلوک کے معاملے میں مذہب کی بنیاد پر اسلام نے کوئی تفریق نہیں رکھی ہے، خود مسلمانوں کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے۔ بعض دفعہ ایک آٹو والے کی ایمانداری ایک پورے خاندان پر مسلمانوں کے تئیں گہرے خوشگوار نقوش چھوڑ جاتی ہے، نفرت کا جواب محبت ہی ہے، نہ کہ نفرت!

تعلقات بہتر ہوتے ہیں میل جول سے، اب صورتِ حال یہ ہے کہ اکثر شہروں میں ہندو اور مسلم آبادیاں الگ الگ ہو گئی ہیں، جان و مال، عزت و آبرو اور دین و ثقافت کے تحفظ کے نقطہ نظر سے یہ بات بہتر بھی محسوس ہوتی ہے، لیکن ایک ہی سماج میں رہنے والوں کے درمیان تعلق رہنا بھی ضروری ہے، اس لیے اب میل جول کی صورت یہی ہے کہ مختلف تقریبات کے عنوان سے غیر مسلم بھائیوں کو مدعو کیا جائے، جیسے: شادی بیاہ، رمضان المبارک، یوم آزادی، یوم جمہوریہ، عید میلاد النبی ﷺ وغیرہ، اور اس میں اسلام اور مسلمانوں کی صحیح تصویر پیش کی جائے۔

اسی طرح بہتر تعلقات کا ایک ذریعہ حسن سلوک ہے، ہاسپٹلوں میں پہنچ کر بیماروں اور تیمارداروں کے لیے کھانا، پھل اور دواؤں کی فراہمی، گرما کے موسم میں مسافروں اور راہ گروں کے لیے ٹھنڈے پانی کا انتظام، ٹھنڈک میں غرباء کے درمیان کمبلوں کی تقسیم، گاؤں میں بورویل کا انتظام، جس سے تمام فرقوں کے لوگ فائدہ اٹھا سکیں، مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکولوں میں غیر مسلم بچوں کو داخلہ دینا، تمام طبقات کے لیے فری کلینک کھولنا، غرض کہ حسن سلوک کی مختلف صورتیں ہیں، جن کے ذریعہ آپ برادران وطن کا دل جیت سکتے ہیں، ایسے ہی کاموں میں غریب بچوں کے لیے بک بینک قائم کرنا بھی شامل ہے، خدمت خلق کے کام کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید نے ”موکفۃ القلوب“ کے عنوان سے اس کے لیے مستقل ایک مدد مقرر کی ہے، اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں ہے کہ زکوٰۃ کا یہ مصرف باقی ہے یا نہیں؟ لیکن اگر عطیہ و اعانت کی مد سے یہ کام کیا جائے تو اس کے بہتر اور مطلوب ہونے میں کوئی دو رائے نہیں ہو سکتی۔

انسان جن لوگوں کے درمیان رہتا ہو، اگر ان سے تعلقات بہتر نہ ہوں اور ہر وقت خوف و دہشت اور نفرت و عداوت کی فضا ہو، تو کوئی ترقیاتی کام نہیں ہو سکتا، اس لیے یہ بے حد ضروری ہے کہ سنگھ پرپوار کے لوگ نفرت پیدا کرنے کے لیے جتنی طاقت لگاتے ہیں، مسلمان اس زہر کے علاج کے لیے اس سے زیادہ محنت کریں، اس کے لیے خود مسلمانوں کو باشعور بنایا جائے، اور اس مقصد کے لئے مسلم و غیر مسلم مشترک پروگرام رکھے جائیں۔

میڈیکل شعبہ میں بھی کام کی ضرورت:

میڈیکل لائن میں مسلمان کم تعداد میں ہیں، اس شعبے میں جڑنے سے بہت سارے فائدے ہیں، اس سے جڑ کر آپ معاشیات میں بہتری لاسکتے ہیں، اس لائن میں بہت سارے پیسے ہیں، عزت بھی اور خدمت خلق کا ذریعہ بھی۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو ڈاکٹر ضرور بنائیں۔

ابھی بہت سارے کورسز ایسے ہو رہے ہیں جن میں آسانی سے آپ اپنے بچوں کو ڈی فرما کر اس سرکاری یا پرائیویٹ میڈیکل میں جان کر سکتے ہیں۔ یہ دو سال کا کورس ہے۔ ڈریسریہ ایک سال کا کورس ہے۔ اس کے علاوہ جی این ایم کروا کر کہیں نرس لیڈس اور جینس دونوں کام میں ہوتے ہیں یہ تین سال کا کورس ہے، اسے کرنا چاہیے۔

اگر آپ کالج سائنس بالیو جی لے کر کیا ہے تو ڈی فرما کرنے کے بعد میڈیکل اسٹور بھی کھول سکتا ہے۔ اس کے بعد جب آپ میڈیکل لائن سے جڑ جائیں گے تو آپ کی آنے والی نسل مزید اوپر کے کورسز کرے گی جس کی رہنمائی آپ کریں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ پہلے کوئی اس گھر خاندان سے میڈیکل شعبہ میں جڑے تو دھیرے دھیرے مسلمانوں کا مستقبل اس طرف بھی بہتر ہو گا۔

اس شعبے سے بے توجہی کے بہت سارے نقصانات ہیں جس سے سب واقف ہیں۔ اگر مسلمانوں میں اچھے ڈاکٹر اور میڈیکل ہوتے تو دوسروں کے طعنے نہیں سننے پڑتے۔ بہت جگہوں پر اس کرونا وائرس میں یہ کہہ کر علاج سے منع کر دیا گیا کہ ہم مسلمانوں کا علاج نہیں کرتے اور بہت مسلم چہرہ اور نام دیکھ کر بہانا بناتے ہیں کہ ڈاکٹر نہیں ہیں۔ بہت جگہوں سے تو یہ بھی خبر آئی کہ غلط دوا دے کر مار ڈالا گیا یہ بہت افسوس کا مقام ہے۔

اگر ہم میڈیکل شعبے میں بھی توجہ دیے ہوتے تو یہ دن نہیں دیکھتے۔ وہ ہمارے محتاج ہوتے مگر ہم ان کے محتاج ہیں۔ ہمیں اس پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

وکالت و جج کا شعبہ بھی ہمارا کمزور ہے:

اس شعبے میں بھی کام کی شدید ضرورت ہے۔ بھلا ہو جامعہ ثقافتہ السنیہ (کیئرل) کا جہاں سے دو تین گروپ وکیلوں کا وکالت کا کورس کر کے قوم کی خدمت پر معمور ہیں۔ دیگر مدارس و اہل علم حضرات توجہ دیں تو یہ کورس ان کے یہاں بھی شروع ہو سکتا ہے۔

اس شعبے میں ماہر مسلم وکیل نہ ہونے کا خسارہ ہمیں ہو رہا ہے۔ طلاق ثلاثہ ہی کو لے لیں اس معاملے میں، اور باری مسجد کے سلسلے میں غیر مسلم وکیلوں کی ضرورت پڑ رہی تھی۔ اب بھلا دوسرے قوم سے آپ کتنی امید رکھ سکتے ہیں۔ اس لیے یہ بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ادھر بھی ہماری توجہ رہے۔ اس شعبے میں بھی پیسہ اچھا ہے۔ اچھے ذہین بچوں کی رہنمائی کر کے انہیں لایر (وکیل) ایل ایل بی (جج) کا کورس کروائیں۔

این جی او اور ٹرسٹ: این جی او (نان گورنمنٹ آرگنائزیشنز) کو اردو میں ”غیر حکومتی تنظیم“ کہتے ہیں۔ علمائے کرام این جی او اور ٹرسٹ بنا کر تعلیمی، تہذیبی، ثقافتی، سماجی، معاشرتی، معاشی اور ادبی ہر طرح کی سرگرمیوں کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ مسلمان خاص طور پر علمائے کرام اس میدان میں سرگرم نہیں ہیں حالانکہ یہ ایک ایسا میدان ہے، جس میں اگر خود کفیل ہو سکتے ہیں اور بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتے ہیں۔ اس وقت بین الاقوامی سطح پر این جی او کی اہمیت مسلم ہے۔ قومی اور ریاستی حکومتوں کو ہمیشہ این جی او کی ضرورت پڑتی ہے اور ان کے ذریعہ ہر علاقے میں بڑا سے بڑا کام لیا جاتا ہے۔ قدرتی آفات کے موقع پر این جی او کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔ بہت سی بین الاقوامی تنظیمیں تعلیم، صحت اور روزگار وغیرہ کے لیے علاقائی این جی او کی مدد دیتی ہیں، لیکن علمائے کرام اس میدان میں کہاں نظر آتے ہیں؟ ان میں سے بیشتر کو اس کے بارے میں سرے سے معلوم ہی نہیں ہے۔ چند علمایا عوام آپس میں مل کر این جی او بنا سکتے ہیں اور کام کا کوئی بھی میدان منتخب کر سکتے ہیں۔

عام طور پر لوگوں کو یہ شکایت رہتی ہے کہ علما اپنے فلاحی کاموں کو مسلمانوں تک محدود رکھتے ہیں، علما اگر سماجی اور فلاحی کاموں کا دائرہ دوسروں تک وسیع کر دیں تو برادران وطن (ہندو، سکھ، عیسائی) کے مابین جو دوریاں ہیں ان میں کمی آئے گی اور علما کے تعلق سے کچھ لوگوں میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کا ازالہ بھی کسی حد تک ہوگا۔

غلط پروپیگنڈے کا تحقیقی جواب دیا جائے:

اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے اپنے شباب پر ہیں، اور ان کے لیے دو شعبوں کو ہتھیار بنایا جا رہا ہے، ایک: میڈیا۔ دوسرا: تعلیم۔

تعلیم کے ذریعہ فرقہ پرستی کا زہر پڑھے لکھے لوگوں تک پہنچتا ہے تحریر و تقریر کے ذریعے۔ اور میڈیا کے ذریعہ ہر خاص و عام تک نفرت کا پیغام پہنچایا جا رہا ہے، اور مسلمانوں کے خلاف آکسایا جا رہا ہے جس کے برے اثرات سے ہم سب واقف ہیں۔ جو لوگ سچائی سے واقف نہیں ہیں، وہ جھوٹ کو سچ سمجھنے پر مجبور ہیں، یہ پروپیگنڈے عام طور پر تین طرح کے ہیں، ایک تو اسلام کے بارے میں، جیسے: اسلام کا تصور جہاد، یہاں تک کہ اب تو کلمہ طیبہ پر بھی اعتراض کیا جا رہا ہے۔

دوسرا: ہندوستان کی مسلم تاریخ۔

تیسرا: ملک کے مسلمانوں کا رویہ۔

پہلے قسم کے اعتراضات تو صد فیصد غلط ہوتے ہیں، اور انھیں معمولی غور و فکر کے ذریعہ سمجھا جاسکتا ہے، دوسرے اور تیسرے قسم کے اعتراضات میں کچھ صداقت بھی ہو سکتی ہے، لیکن زیادہ تر غلط فہمی ہی ہوتی ہے۔

ان غلط فہمیوں کو دور کرنے اور جانتے بوجھتے غلط پروپیگنڈوں کا اثر دور کرنے کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔

اول: یہ کہ ہندو شدت پسند تنظیموں کی طرف سے جو خلاف واقعہ پیش کی جا رہی ہیں ان کا جواب تحقیقی اور مدلل ہو ساتھ ہی بڑی سنجیدگی سے ان کا جواب دیں۔

ان کے اعتراضات کا تحقیقی جواب اس طرح دیں کہ قرآن و حدیث کا مواد بھی ہمارے سامنے رہے اور جو معترضین ہیں اُن کی مذہبی کتابیں اور تاریخ بھی سامنے ہوں۔

اس کام کے لیے ایسے لوگوں کی ایک ٹیم تیار کی جائے جو اپنے گھر سے بھی واقف ہوں اور فریق مخالف کے گھر میں بھی جھانکنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ یعنی مکمل طور پر تقابل ادیان سے تعلق رکھنے والے افراد ہوں جو بلا جھجک ہر سوال کا جواب دے سکے۔

اس کے تدارک کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اسلام مخالف مواد کے جوابات کو سیمیناروں، سیمپوزیموں، جلسوں، کانفرنسوں، مسلم اور غیر مسلم مشترکہ پروگراموں کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ پھیلانے جائیں، جیسے لوگ نماز روزہ کے بنیادی مسائل سے واقف ہوتے ہیں، اسی طرح کوشش کی جائے کہ ہر پڑھا لکھا مسلمان ان سے واقف ہو جائے، تاکہ وہ خود احساس کمتری میں مبتلا نہ ہو اور دوسروں کی غلط فہمی دور کرنے کے لائق ہو سکے، یہ بہت دشوار بھی نہیں ہے، کیوں کہ ایسے مسائل بحیثیت مجموعی پندرہ بیس ہیں، یہ کام مساجد کے ائمہ حضرات کے ذریعہ آسانی سے لیا جاسکتا ہے، وہ خطبہ جمعہ، بعد نماز عصر اور دیگر مذہبی مجالس میں بیانات کے ذریعہ لوگوں کی رہنمائی کریں۔ نیز مقررین حضرات جلسوں میں ان مسائل پر گفتگو کریں تو ضروری باتیں اکثر مسلمانوں تک پہنچ جائیں گی۔

میڈیا: جب اسلام مخالف طاقتیں پوری شدت کے ساتھ سرگرم ہو تو ایسے دور میں علماء، دانشوروں اور خانقاہوں کو سوشل میڈیا کا مثبت استعمال کرتے ہوئے مسلم نوجوانوں کی رہنمائی کرنی چاہیے۔ ایسے وقت میں جب سوشل میڈیا پر مسلم نوجوانوں کی ہر سرگرمی پر سیکوریٹی ایجنسیوں کے ذریعے نگاہ رکھی جا رہی ہو، اسلام دشمن طاقتیں مسلم نوجوانوں کو بھڑکانے اور غلط راہ میں ڈالنے میں اپنی توانائی صرف کر رہی ہوں تو ایسے وقت میں علماء، مسلم دانشوروں، تعلیمی اداروں، مدارس اور خانقاہوں کو ایک مشترکہ حکمت عملی بنا کر مسلم نوجوانوں کی رہنمائی کرنی چاہیے۔

خانقاہوں اور علما جن کی خاصی بڑی Fan Following (پیروکار) ہیں، وہ اگر منظم طور پر چینل یا یوٹیوب چینل بنائیں اور منصوبہ بندی کے ساتھ اس کا استعمال کریں تو فائدہ مند ہوگا۔ یوٹیوب چینل تو آمدنی کا ذریعہ بھی ہے۔ ضرورت تو ایک اپنے میڈیا کی ہے اس کی طرف بھی توجہ کی سخت ضرورت ہے۔

کچھ شریف کے سجادہ نشین حضرت محمود اشرف صاحب نے اشرفی چینل کی شروعات کی ہے۔ اسی طرح دیگر خانقاہیں بھی اپنے یہاں سے چینل کی شروعات کریں۔ موجودہ دور میں اس کی سخت ضرورت ہے۔

تنظیمیں ڈھانچہ مضبوط کرنے کی ضرورت ہے:

ایک دھاگے کو با آسانی توڑا جاسکتا ہے مگر جب وہ ایک ایک دھاگے مل کر چند بن جائیں پھر توڑنے کی کوشش کرنے والوں کے اوسان خطا کر سکتے ہیں اور ان دھاگوں کی اجتماعی قوت سے انگلیاں متاثر ہو سکتی ہیں۔ پتہ چلا کہ انتشار کو نقصان سے دوچار کرنا آسان ہے مگر اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش خطرے سے خالی نہیں۔ کیا خوب کہا ہے کسی مردے درویش نے اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت۔ (قول حضور حافظ ملت)

اتحادی قوت کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ”تنظیم“ کہلاتا ہے تنظیم کیا ہے؟ افراد کو منظم کرنے کا ایک بہانہ، کیوں نہ ہو کہ نظم بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرونے کا نام ہے جب تک یہ موتیاں بکھرے ہوں ان کے وقعت کا اندازہ نہیں ہوتا مگر جب ایک لڑی میں پرو دیا جائے تو ان کی خوبصورتی میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ گرد و نواح میں پھیلے ہوئے افراد و اشخاص بھی انہیں بکھرے ہوئے موتیوں کی مانند ہیں جن کی حیثیتوں اور خوبیوں سے استفادے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ انہیں دھاگے کی ایک لڑی میں پرو دیا جائے، انہیں ایک پلیٹ فارم میں جمع کر دیا جائے تاکہ اتحادی قوت ہاتھ آئے اور ان کے تحت سارا کام بحسن و خوبی انجام پائے۔

جب ہی تو دنیا ہاتھ دھو کر تنظیم کے پیچھے پڑی ہے، دنیا والوں سے جب بھی کوئی بات منوانا ہو تنظیم قائم کر لی، جب انقلاب لانے کا ذہن بنا تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ پھر جب ان تنظیموں کے سربراہان متحرک و فعال ملے فتح مندی ان کے حصے میں آئی اور گاڑی پڑی پر چلنے لگی، مگر جیسے ہی ان کی آنکھیں بند ہوئیں، ان تنظیموں پر بھی خطرات کے بادل منڈلانے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ دی۔

قیام کے وقت تو لوگوں کی پر زور حمایت ملی، مگر جب کام کی باری آئی عین وقت پر انگوٹھا دکھا دیا۔ راہبر کو اب حالات سے سمجھوتا کرنے کے سوا انہیں عافیت نظر نہ آئی اور اس طرح سارے منصوبے پیوند خاک ہو گئے۔ ناچاہتے ہوئے بھی بات طویل ہوتی جا رہی ہے۔ مجھے سر دست یہ بتانا مقصود ہے کہ ہماری جماعت میں بے شمار تنظیمیں ہیں اور ان کے اغراض و مقاصد بھی بڑے شاندار، ضرورت اس کی ہے کہ تسلسل کے ساتھ اپنے اغراض مقاصد پر کام کریں ان شاء اللہ ضرور کامیابی ملے گی۔

آپ آر ایس ایس وغیرہ کو دیکھیں کہ ایک سو سال سے زائد عرصے سے وہ اپنے مشن میں لگے رہے اور آج ہر میدان میں وہی نظر آتے ہیں۔

لہذا ہم پر یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اپنی تنظیموں کو مضبوط کریں اور انہیں کامیابی تک لے جائیں۔

خلاصہ کلام: موجودہ صورت حال میں ہمیں ایک بار پھر اس اصل سوال پر غور کرنا ہو گا کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اب کیا کرنا چاہیے؟ اس کا جواب خود احتسابی اور مسائل کا معروضی تجزیہ کرنے میں بھی مضمر ہے کہ آخر مسلمانوں کی یہ حالت کیوں ہوئی؟ ان مسائل کو ترجیحی بنیادوں پر غور کرنا ہو گا۔ پہلی بات تو یہ کہ ہمیں اختلافات کے بجائے ایک متحدہ قوم کی امیج پیش

کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ ہمیں مسائل کو حل کرنے کے لیے Approach Reactive اپنانے کے بجائے Approach Proactive اپروچ اختیار کرنا ہوگی۔ ایسے لوگ جو کسی سطح پر مسلمانوں کے نمائندے نہیں ہیں انہیں کسی بھی سطح پر نمائندگی کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے، بلکہ انہیں عوامی طور پر مسترد کرنے کی ضرورت ہے۔ تیسری بات یہ کہ ملک کی دیگر اقلیتوں مثلاً پارسیوں، سکھوں اور عیسائیوں کے ساتھ پائیدار رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مزید برآں ان اقلیتی فرقوں سے سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ انھوں نے تعلیمی اور اقتصادی شعبوں میں کامیابی کے پرچم کس طرح اہرائے ہیں۔

چوتھی بات یہ کہ مسلمانوں کے لیے خود احتسابی ضروری ہے اور خود اپنی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے کیوں کہ کسی بھی قوم کی ترقی میں یہ فیصلہ کن امر ہے۔ شادی بیاہ اور مذہبی تقریبات وغیرہ میں بے جا پیسے بہانے کے رجحانات پر روک لگانے کی ضرورت ہے۔ اور آخری بات یہ کہ مسلمانوں کی نفسیات اور انہیں درپیش مسائل کی متعلق رویوں میں تبدیلی کا پیغام منطقی اور قابل فہم انداز میں دیا جانا چاہیے۔ یہ کام کسی ایسی کل ہند کمیٹی کے ذریعہ کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا جس میں تمام طبقات اور تمام مسالک کے رہنماؤں کے علاوہ سیاسی اور سماجی کارکنان بھی شامل ہوں۔

سیاسی محاذ پر مسلمانوں کو کثیر جہتی لائحہ عمل اپنانا چاہیے، ملک کی سیکولر اور جمہوری طاقتوں کو مضبوط کرنا چاہیے اور ہندوستان میں ۶۳ فیصد سیکولر اور درست سوچ رکھنے والوں کی حمایت کے حصول کو یقینی بنانا چاہیے۔ جب تک مسلمان مجموعی طور پر اپنی نفسیات کو بدلنے اور اپنی اصلاح کرنے کا فیصلہ خود نہیں کریں گے، اس وقت تک ہر طرف سے ہونے والے حملوں سے انہیں بچانے میں کوئی بھی دوسری طاقت مدد نہیں کر سکتی۔ اس کے لیے انہیں خود ہی نئے حل نکالنے ہوں گے اور نئی راہ اختیار کرنی ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ.

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اختتامیہ: میری ذاتی رائے یہ ہے کہ وقت اب آگیا ہے کہ اب ہم ہندوستانی مسلمان اس ملک میں اپنی بقا کے بارے میں غور و فکر کرنا شروع کر دیں۔ ہم اپنی ذاتی خواہش سے ہندوستانی ہیں۔ ہم اپنے ملک سے محبت کرتے ہیں اور اس کی ترقی میں حصہ دار بننا چاہتے ہیں۔ اس لیے ہم الگ تھلگ نہ رہیں اور اپنے ملک کے لیے ہر کام میں تعاون کریں (مذکورہ باتوں پر عمل کر کے) ان سب میں بہت وقت اور محنت لگے گی زیادہ رقم کی بھی ضرورت ہوگی مگر اس کے بغیر ہم سماج میں اہم اور پراثر رکن نہیں بن سکتے۔

وما علینا الا البلاغ.

محمد ابوہریرہ رضوی مصباحی رام گڑھ۔ (رکن: مجلس علمائے چھار کھنڈ)